سابیر حاکا: ایک ایرانی مزدور شاعر

کلیدی الفاظ: سابیر حاکا# نظم گو# ایران# فارسی # مزدور # کسک # خدا # فرماں روا # سرمایہ دار # نظمیں # مختصر نظمیں # شہتوت # عمارت # نماز# ابّا # احساسات # تجربات # طبقاتی کشمکش

ڈاکٹر محمد طارق
پی 102 پہلوان اپارٹمنٹ، تیسری منزل، سبزی منڈی گلی،
نزد ہری مسجد، بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی 25
محمد اقرار
رِسرچ اسکالر: شعبہ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی 25

تلخیص: سابیر حاکا دور جدید کے ایک کامیاب نظم گو شاعر ہیں۔ ایران کے کرمان شاہ میں ولادت ہوئی۔ فارسی میں لکھتے ہیں ۔ پیشے سے ایک مزدور ہیں۔ ان کی شاعری مزدوروں کے جذبات واحساسات کی ترجمان ہے۔ ان کی نظمیں مزدوروں کی تکالیف، ان کی ناآسودہ خواہشات، ان کے زخموں سے اٹھنے والی ٹیس، ان کی کراہٹوں اور طبقاتی کشمکش سے عبارت ہیں۔ خدا کے ساتھ ان کا رقیبانہ تعلق ہے۔ وہ مزدوروں کے حوالے سے خدا کی تقسیم کے یکسر مخالف ہیں۔ مذہب بیزاری اور اشتراکیت کی جھلک ان کی شاعری میں واضح طور پر نمایاں نظر آتی ہے۔ ان کے دو مجموعے شائع ہو کر عوام وخواص سے دادو تحسین وصول کر چکے ہیں۔

دیگر فنون کی طرح شاعری بھی ایک فن ہے، لیکن یہ کوئی عام فن نہیں ہے۔ اس فن کے لئے ریاض، جہد مسلسل اوراس کی فنی باریکیوں کے ساتھ ساتھ سینے میں ایک دھڑکتا ہوا دل بھی ہونا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ ''سب کی قسمت میں نہیں ہوتا ہے دل شاعر کا''۔ دراصل شاعری فن کے ساتھ ساتھ افکار ونظریات کا ایک سنگم ہے، جہاں غور وفکر کرنے کے بعد ذہن کی گہرائیوں سے شعر ابھرتا ہے اور پھر تفکرات میں جہد مسلسل کے بعد شاعر ''الشاعر یشعر مالا یشعر غیرہ'' کا مصداق بن جاتا ہے۔ مختلف قسم کے تلخ وترش شیریں تصورات دماغ میں اچھلنے لگتے ہیں۔

شاعری اظہار بیان کا سہل ترین اور شیریں ترین ذریعہ ہے۔تھوڑے لفظوں کا سہارا لے کر آپ بڑی سے بڑی بات بہترین انداز میں پیش کر سکتے ہیں اور شاعری کی زبان میں کہی گئی بات نثر میں کہی گئی بات سے زیادہ پر کشش معلوم ہوتی ہے۔شاعری کا دامن بھی بہت وسیع ہے۔یہ اپنے اندر شکل و ہیئت اور مفہوم کے اعتبار سے بہت سی اقسام کو سمیٹے ہوئے ہے،جن میں نظم،قصیدہ،مثنوی،مرثیہ اور غزل جیسی اصناف سخن سرفہرست ہیں۔غزل کے بعد نظم کو جو شہرت ومقبولیت نصیب ہوئی وہ کسی اور صنف کو نصیب نہیں ہوئی۔

سابیر حا کا ایران کے ایک مشہور نظم گو شاعر ہیں۔عوام میں ان کی شہرت ایک مزدور شاعر کی حیثیت سے ہے۔سابیر کا اصل نام سابیر قبادی ہے۔احمد قایا سے بے حد متاثر ہیں۔اسی لیے قایا کی مناسبت اور وزن کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنا نام سابیر قبادی سے سابیر حا کا کرلیا۔حا کا دراصل لفظ حقّا ہے جس کے معانی یقین، بے شک اور بلا شبہ کے ہوتے ہیں جب کہ سابیر لفظ کی اصل صابر ہے۔

سابیر کی پیدائش ۱۹۸۶ میں ایران کے کرمان شاہ میں ہوئی۔میری معلومات کے مطابق ابھی تک ان کے دوشعری مجموعے شائع ہوکر عوام وخواص میں مقبول ہو چکے ہیں۔ایک ''دلھری مدام گریختن'' اور دوسرا ''دوری مثل آخرین طبقہیبک آسمان خراش'' ۔انتہائی قلیل مدت میں دونوں مجموعوں کے متعدد ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔یہ سابیر کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

سابیر پیشے سے ایک مزدور ہیں اور تعمیراتی مزدوری سے منسلک ہیں۔اس لیے ان کی شاعری کا بیشتر حصہ مزدور اور مزدوری کے اردگرد گردش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔وہ ایک مزدور کی شرافت کے قائل ہیں۔وہ اس ادیب یا شاعر کی طرح نہیں جس کی تحریروں میں تو مزدوروں کے لیے خوشیوں کا، لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے، البتہ خود اس کے قلم کی روشنائی میں مزدوروں کے خون کی آمیزش ہوتی ہے۔سابیر اس حقیقت کا شاعر ہے جس سے ایک مزدور کی روزِ ازل سے شناسائی ہے۔وہ مزدور کی اس کسک کا شاعر ہے جو دل میں ہوتے ہوئے بھی زبان پر آتے آتے رہ جاتی ہے۔وہ مزدوروں اور سرمایہ داروں کے درمیان واضح فرق کا شاعر ہے، جہاں سے بیٹھ کر آپ ایک مزدور کی بے رحم حقیقت اور سرمایہ دار کی کمینگی کا بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں اور یہیں سے سابیر کا طنز ابھر کر سامنے آتا ہے۔سابیر اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:

اگر تم امیروں کو بھاؤ دوگے تو وہ تم پر سوار ہو جائیں گے

ایک غریب اور امیر میں بہت فرق ہوتا ہے
غریب آئندہ کل کی زندگی جیتا ہے
(اس امید میں) میں کل مالدار ہو جاؤں گا
اچھا کھاؤں گا
اچھا پہنوں گا
ایک اچھی زندگی گزاروں گا
لیکن امیروں کے لیے محض ارادہ ہی کافی ہے
اسی لیے
ایک مزدور ہونے کی حیثیت سے
میں کسی بھی میدان میں جم نہیں پاتا ہوں

مذکورہ نظم میں ایک مزدور کی کسک واضح طور پر نظر آتی ہے جہاں ایک امید ہے، اچھا کھانے، اچھا پہننے اور ایک اچھی زندگی گزارنے کی امید، اور کسی بھی میدان میں نہ ٹک پانے کی کسک۔

ان کی نظم ''شناختی کارڈ'' میں یہ کسک کچھ اس طرح نظر آتی ہے، جہاں وہ مزدور اور ایک ملک کے فرماں روا کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔کہتے ہیں:

مزدور ہونے کے لیے
کسی شناختی کارڈ یا خدمت کارڈ کی ضرورت نہیں ہوتی
ڈرومت! کوئی تکلیف نہیں ہوگی
تمہارا مذہب کوئی اہمیت نہیں رکھتا
اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ تم کسی سے جھوٹ بولو
یا زندگی میں تم نے کسی کا قتل کیا ہو
بس تھوڑی سی شرافت کی ضرورت ہے
ٹھیک صدرِ جمہوریہ (فرماں روا) کے برعکس!

اس نظم کا آخری مصرع ایک مزدور اور ایک فرماں روا کے مابین واضح فرق کی انتہائی طنز آمیز تصویر کشی کر رہا ہے، جہاں آپ ایک مزدور اور ایک فرماں روا یا امیر کی اخلاقیات کے بیچ فرق کو واضح طور پر محسوس کر سکیں گے۔ سابیر کو ایک مزدور کی حیثیت سے کسی بھی سرمایہ دار، فرماں روا یا پھر تاناشاہ سے بے انتہا بیر ہے۔ ان کے یہاں یہ

دشمنی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ اپنی مشہور نظم ''موت'' میں لکھتے ہیں:

کچھ موتیں کڑوی انتہائی کڑوی ہوتی ہیں
جیسے اس شخص کی موت جس سے ہم پیار کرتے ہیں
کچھ موتیں بے حد میٹھی ہوتی ہیں
جیسے کسی تاناشاہ کی موت
کچھ موتوں کو میں نہیں جانتا
جیسے کہ تمہاری موت
یہ موت تمہاری موت نہیں ہے
اے 'شیرکوہ' اٹھ کھڑا ہو
(شیرکوہ: ایک کرد شاعر)

مزدوری کا درد اور اس سے پیدا ہونے والی کسک سابیر کی ذات میں اس درجہ سرایت کی ہوئی ہے کہ اسے اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں بھی مزدوری کا احساس رہتا ہے۔ مزدوری کے درد سے اٹھنے والی وہ ٹیس خلوت کے انتہائی نازک لمحات میں بھی سابیر کا دامن نہیں چھوڑتی۔ اسے اپنے محبوب کے جھمکے کی آواز بھی کسی کرین سے نکلنے والی آواز کی مانند نظر آتی ہے اور اس صورت حال سے وہ مرتعش ہو اٹھتا ہے۔ اپنی نظم ''سامان گرنے کا خوف'' میں لکھتے ہیں:

متعدد مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ
کسی عمارت کی اینٹ،
ایک مزدور کے شانے سے سیمنٹ کی بوری
یا لوہے کی چادر کرین کی ہک سے
پھسل کر نیچے آگرتی ہے
کچھ درد ہمیشہ کے لیے ٹیس دے جاتے ہیں
اس لیے مجھے حق دو کہ
میرے اندرون میں اتنا ڈر رہو
کہ جب بھی میں تمہیں گلے لگاؤں
تمہارے جھمکے کے ہلنے کی آواز سے
میں سہم جاؤں
اور مجھے ڈر لگنے لگے

سابیر کی مزدوری کا ایک معیار ہے۔ وہ مزدور ہے لیکن ایک خوددار مزدور، جو کسی ایسی عمارت کی تعمیر میں حصہ نہیں لینا چاہتا جس کے دروازے پر قید خانے کا بورڈ چسپاں ہو یا جس عمارت کی بنیاد میں مزدوروں کا خون شامل ہو یا ان کے حقوق کا ملبہ اس کی بنیاد کا گارا ہو۔

مزدوری ایک اچھا پیشہ ہے
وہ اپنے ہاتھوں کی روٹی کھاتا ہے
حالانکہ میں اکثر بھوکا رہتا ہوں
میں جھوٹ اور بدگوئی بھی سنتا ہوں
کبھی کبھی میں ناکارہ بھی رہتا ہوں
اس کے باوجود
میں بالکل اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ
میں ایک ایسی عمارت کی بنیاد رکھوں
جس کے صدر دروازے پہ کسی دن لکھا جائے
'سینٹرل جیل'

سابیر کی شاعری میں خدا اور مزدور کے درمیان وہ رشتہ بالکل نہیں نظر آتا، جس میں خدا پر ایک مزدور کا کامل یقین ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں جو رشتہ ہے وہ تلخی کا ہے، اور یہ تلخی کبھی کبھی رقابت یا دشمنی کا روپ لیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ سابیر اس رشتے کا قائل ہی نہیں ہے جس میں خدا کو حاکمیت کا درجہ حاصل ہو، بلکہ وہ تو مساوات اور برابری کا قائل ہے۔ اسے اس بات کی کسک ہے کہ اگر خدا ہے تو مزدور کا کیوں نہیں ہے۔ آخر خدا کے رہنے کے لیے تو ساری کائنات اور اس سے بھی پرے لامکاں بھی ہے لیکن آخر ایک مزدور کے لیے صرف ایک کمرے کا گھر ہی کیوں؟ ان کی نظم ''میں خدا دوست نہیں'' اس کی بہترین مظہر ہے۔

میرے خدا دوست نہ ہونے کا
فقط ایک ہی سبب ہے
اس کا سبب کہیں دور میرے ماضی میں نہاں ہے
اور وہ یہ ہے کہ
چھ لوگوں کے ہمارے ایک خاندان کی
محض ایک چھوٹے سے کمرے میں رہائش تھی

جب کہ
خدا جو اکیلا تھا
اس کا گھر ہمارے گھر سے بہت وسیع تھا

اور ایک نظم ''کاش میں بڑا نہیں ہوتا'' میں وہ خدا سے بے حد نالاں نظر آتے ہیں۔اور وہ اپنے اس موروثی اعتقاد پر چوٹ کرتے ہوئے، جو ایک غریب، مزدور اور مذہبی خاندان کا سرمایہ ہوتا ہے، تقریباً خدا کی ذات کی نفی یا پھر اس کا مخول اڑاتے ہوئے دکھتے ہیں:

کاش! میں بڑا نہیں ہوتا
اور مجھے اس بات کا احساس نہیں ہوتا
کہ
میرے والد نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا
کہ مٹی میں جا کر
سب کچھ سرسبز ہو جاتا ہے
یہ خدا کی مہربانی ہے
ابن آدم اسے کیوں نہیں سمجھ پاتا؟
میں نے ایک لمبی مدت تک انتظار کیا
لیکن
میری ماں سرسبز نہیں ہوئی

اپنی ایک نظم بعنوان ''خدا'' میں خدا کے سکوت پر اور مزدوروں کے متعلق خدا کی بے حسی پر اس طرح طنز کرتے ہیں:

اس کا خدا
ایک الگ قسم کا ہے
وہ
اس کی قسمت پر اشک افشانی کرتا ہے
لیکن میرا خدا
اب بھی
خاموش ہے

ان کی ایک اور نظم ”عقیدت“ کے عنوان سے ہے، جس میں وہ اپنے والد کے مزدور ہاتھوں کے سامنے خدا کی شرمندگی کی بات کرتے ہیں۔ اس نظم میں ان کے طنز کا وار اتنا بھرپور ہے کہ وہ اس عقیدت کی تسبیح کے دانوں کو انتہائی بے ترتیبی کے ساتھ بکھیر دیتا ہے جو ایک مزدور خدا سے تعلق کی علامت کے طور پر اپنی جیب میں رکھتا ہے اور بوقتِ دعا اسے پڑھتے پڑھتے خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔

میرے ابّا ایک مزدور تھے
عقیدت سے لبریز شخص
جب بھی وہ نماز پڑھتے
تو خدا ان کے ہاتھوں کو دیکھ کر شرمسار ہو جاتا تھا

سابیر کی نظموں کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کارل مارکس سے انتہائی متاثر ہیں۔ ان کی بیشتر نظمیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں۔ مذہب سے بیزار اور اشتراکیت سے متاثر ہونے کے باوجود بھی وہ تیکنیکی طور پر کسی بھی نظریے سے خود کو وابستہ نہیں کرتے۔ ان کی نظمیں انتہائی منطقی ہوتی ہیں، ربط وضبط کا بہترین نظم ہوتا ہے اور وہ اس بات کا خاص لحاظ رکھتے ہیں کہ ان کی نظموں کا انجام ایک منطقیانہ عروج پر منتج ہوتا ہو۔ ”ہ، ی، ن، س، ل، ر“ کے عنوان سے ان کی نظم اس کی بہترین مثال ہے۔

میں کبھی نہیں چاہوں گا
کہ میں اپنے ابّا کے مثل زندگی گزاروں
ان کے اندر خدا کا خوف تھا
اور اپنے گناہوں کی وجہ سے سدا گریہ وزاری میں مبتلا رہتے تھے
لیکن میں انہیں مارنا چاہتا تھا
جب مجھے ماں کے نہ ہونے کا احساس ہوتا
اور مجھے یہ فہم روشن ہو جاتا کہ موت وزیست خدا کے ہاتھ میں ہے
(اور یہ کہ)
کسی کو مارنے کے لیے بہادری کی نہیں، دلیل کی ضرورت ہوتی ہے

سابیر کی بیشتر نظموں کا خمیر مزدوروں کے درد، ان کے زخموں سے اٹھنے والی ٹیس، ان کی ناآسودہ خواہشیں، طبقاتی کشمکش اور سرمایہ داری کے خلاف نفرت سے اٹھتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کچھ عشقیہ نظمیں بھی ہیں لیکن وہاں بھی بین السطور مزدوری کی

کسک نمایاں نظر آتی ہے اور فضا پر یاس و نا امیدی کی فضا چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ''عشق'' کے عنوان سے نظم ملاحظہ کیجیے:

میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا
عشق انسان کو سب کچھ عطا کرتا ہے

در حقیقت عشق تو جنگ سے بھی زیادہ ہولناک ہے
یہ تمام اشیا کو یکسر برباد کر دیتا ہے
مادر وطن کو
خاندان کو
حتی کہ خود انسان کو بھی
اور اسی لیے
میں برسوں سے غریبی کا شکار ہوں

سابیر کسی گھسی پٹی روایت کا شاعر نہیں ہے۔ اسے ان راہوں پہ چلنا بالکل پسند نہیں جن راہوں پر بے شمار لوگوں کے قدموں کے ان گنت نشان موجود ہوں۔ وہ اس منجھے ہوئے شکاری کی مانند ہے جو اپنے راستے خود بناتا ہے، خود شکار کرتا ہے اور کسی کے شکار میں خود کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اس کی نظموں کے خیالات اس کے ذاتی ہیں، کسی سے مستعار نہیں۔ اس کا ذہن نادر تشبیہات و استعارات کی آماجگاہ ہے۔ وہ مزدور ہے اور اس کی شاعری بھی اس کی مزدوری کی طرح خالص ہے۔ مختصر نظمیں لکھتا ہے، البتہ اس کے مجموعوں میں کو چند طویل نظمیں بھی ہیں۔ وہ اپنی مختصر نظموں کے چھوٹے چھوٹے مصرعوں میں بھی انتہائی پر مغز، بامعنی اور حکیمانہ باتیں کرنے پر قادر ہے۔ آخر میں سابیر کی ایک مشہور نظم ''شہتوت'' پر اس مضمون کا اختتام کیا جاتا ہے۔

کیا آپ نے کبھی کسی شہتوت کو شجر سے گرتے ہوئے دیکھا ہے
وہ جہاں گرتا ہے
اس کے سرخ رس سے اتنی زمین سرخ ہو جاتی ہے
گرنے سے زیادہ دردناک کچھ نہیں ہوتا
میں نے کتنے مزدوروں کو دیکھا ہے
وہ بلند و بالا عمارتوں سے گرتے ہیں
اور شہتوت بن جاتے ہیں

مصادر ومراجع:

(۱) دلھری مدام گریختن، سابیر حا کا،نشر چشمہ، تہران (ایران)
(۲) دوری مثل آخرین طبقہ ی یک آسمان خراش، سابیر حا کا،نشر نیما ژ تہران (ایران)
(۳) www.rekhta.org
(۴) www.sadaneera.com
(۵) www.modernpoetrytranslation.com

☆☆☆